تحقیقی مجلہ تصدیق
جلد۰۱ شمارہ۰۵، ۲۰۲۳

Article

DR. ZOE ANSARI AS A LITERARY REVIEW WRITER

ڈاکٹر ظ۔انصاری بحیثیت ادبی مبصر: ایک تجزیہ

Shakeel Ahmad*[1] , Dr. Arshad Mahmood Nashad[2]
[1]Assistant Professor, Dept of Urdu, Govt Graduata College Shakargarh
[2]Associate Professor, Dept of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad
*Correspondence: shakeelahmadskg@gmail.com

[1] **شکیل احمد،[2]ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد**

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج شکر گڑھ ، [۲] ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT:
The study aims at presenting Dr. Zeo Ansari as a literary review writer and described his importance in the field of basic criticism. The research deals with the questions of how Dr. Zoe Ansari provided the base of review writing and his own role and place as a literary reviewer. Dr. Zoe Ansari inspired the next generations of Urdu critics and writers through his review writings. He enlarged the canvas of review writing by differentiating between review and literary criticism. Dr. Zoe Ansari describes that a book review is a form of literary criticism in which a book is merely described or analyzed based on content, style, and merit. He is the man in Urdu literature who defined the role and function of a literary reviewer, its artistic merit, and the duty of a reviewer. The readers can use it to find the subject and object approach in his review writing. In a nutshell, we can say that Dr. Zoe Ansari can be considered as a leading figure of Urdu literary review writing, and his literary impacts are still imprinted on the literary reviewers of the current era. Dr. Zoe Ansari is a prominent figure in Urdu review writing. This paper marks the basic trends of review writing of Doctor Zoe Ansari, his merits, and his demerits. In this paper qualitative research has been followed. Literary research, design, and internet sources are consulted.

KEYWORDS: Role and Place, Literary review writer, Dr Zoe Ansari, Zoe Ansari, Review Writer, Literary, Literary Impacts, Review and Criticism, Review Writing

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.143
Received:03-05-2023
Accepted:06-07-2023
Online:10-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ماہر لسانیات، محقق، نقاد، ادیب اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا نام اردو ادبی تبصرہ نگاری کا ممتاز نام ہے۔ ظل حسین نقوی اردو ادب میں ڈاکٹر ظ- انصاری (۱۹۲۵ء-۱۹۹۱ء) کے ادبی نام سے معروف ہیں اردو تبصرہ نگاری کے حوالے سے نمایاں اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ تبصرہ نگاری کے فن پر تحقیقی، تنقیدی اور تعبیری تبصرے عمومی انداز اور روایت سے ہٹ کر پیش کیے۔ "کتاب شناسی" میں موجود تبصروں سے عیاں ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اردو میں نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ تبصرے لکھے۔ یہ مجموعہ ادبی تبصرہ نگاری کی روایت کا اہم سنگ میل ہے۔ اس میں ساڑھے چار سو کتب اور رسائل و جرائد پر لکھے گئے تبصرے شامل ہیں۔ آغاز میں ادبی تبصرہ نگاری کے فن، اصول و ضوابط اور تقاضوں کے حوالے سے ایک مفصل، اور مربوط مضمون شامل ہے جس سے فن تبصرہ نگاری پر ان کی قادرالکلامی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ مضمون "من کہ یک تبصرہ نگار" فن تبصرہ نگاری کے اصول و ضوابط اور تقاضوں کو سمجھنے کے لیے ایک اہم دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک آئیڈل مبصر اور عمدہ تبصرہ نگار کا خاکہ اور خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔

ظ- انصاری نے تبصرہ نگاری کا آغاز ۱۹۴۶ء میں ماہنامہ "نیا ادب" بمبئی کے لیے تبصرہ لکھ کر کیا۔ "نیا ادب" اس دور کا معیاری ادبی رسالہ تھا اور "نیا ادب" میں تبصرہ کا شائع ہونا عزت و ناموری کا سبب تھا۔ انھوں نے ابتدا سے تبصرہ نگاری کے لیے اصول و ضوابط متعین کر لیے اور پھر ان کار بندرہ کر تبصرہ نگاری کرتے رہے۔ ان کا پہلا اصول یہ تھا کہ وہ کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کے بغیر تبصرہ نہ کرتے تھے۔ دوسرا اہم اصول انھی کتابوں کا انتخاب تبصرے کے لیے کرتے جن کے موضوع سے واقفیت رکھتے تھے اور تبصرہ سے پہلے اس موضوع سے متعلقہ کتابوں کی ورق گردانی ضرور کرتے تھے۔ تیسرا اہم اصول یہ کہ کبھی کوئی تبصرہ رواروی میں نہیں لکھا اور "کتاب شناسی" کے ساڑھے چار سو تبصروں کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ایک بھی تبصرہ ایسا نہیں ہے جس میں جانبداری پیشِ نظر ہو۔ ظ- انصاری اپنے تبصروں کے خصائص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "تبصروں سے مصنفوں کو خفا زیادہ کیا ہے، خوش کم، لیکن جو خوش ہوئے اُن کے کارنامے اردو دنیا پر روشن ہیں یا ہو جائیں گے۔ میں نے تبصروں میں صرف انھی کتابوں کو لیا جن کے موضوع سے مناسب واقفیت تھی ۔۔۔ کوئی زیرِ تبصرہ کتاب رواروی میں نہیں دیکھی گئی، سرسری ریمارک میں نہیں ٹالی گئی اور ذاتی مراسم کو، عناد یار نجش کو، ریاکاری یا رفاقت کو تبصرے میں راہ نہیں دی گئی۔ خاص اس پہلو سے میں "کتاب شناسی" کے ساڑھے چار سو صفحوں پر معذرت طلب نہیں ہوں"(۱)

مصنف نے تبصروں کو چار اہم اقسام میں تقسیم کیا ہے:

i) تحقیقی تبصرے

ii) تنقیدی تبصرے

iii) تکلف بر طرف تبصرے

iv) تعبیری تبصرے

"کتاب شناسی" میں شامل تبصروں کے تجزیاتی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے تبصروں میں مذکورہ بالا چاروں رجحانات کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ ان کا پہلا تبصرہ "ادبی تحقیق ـــــ مسائل اور تجزیہ" کے نام سے رشید حسن خان کی کتاب پر ہے۔ آغاز میں تحقیق کے اردو زبان میں آغاز اور نامور محققین کے بیان کے بعد رشید حسن خاں کی بطور محقق خدمات کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کے تعارف میں ادبی تحقیق کے دو حصوں کی وضاحت قارئین کی رہنمائی کے نقطہ ءِ نظر سے کی گئی ہے۔ مبصر کی معلومات اس قدر ہیں کہ وہ زیرِ تبصرہ کتاب کے موضوع، مواد اور مصنف کے حوالے سے اظہار رائے کی بخوبی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کے تبصرے کا انداز بے لاگ ہے۔ تحقیقی یکسوئی سے متاثر کن ہے لیکن کچھ امور میں تحفظات رکھتے ہیں اور اس حوالے سے مدلّل انداز اختیار کرتے ہیں۔ دوسرا تبصرہ "اردو افسانہ روایت اور مسائل" مرتبہ گوپی چند نارنگ پر ہے۔ آغاز میں اس ضخیم مجموعہ کا تعارف اور پروڈکشن کے معیار پر مرتب اور پبلشر دونوں کی کاوش کو قابل تحسین قرار دیا ہے۔ تبصرہ میں ان کے بالاستیعاب مطالعہ کی جھلک نمایاں ہے۔ اظہار رائے میں ان کے کتاب سے متعلق جزو کل سے بخوبی آگاہی کا اظہار ہوتا ہے۔ علامتی اور تجریدی افسانوں پر لکھے گئے مضامین کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "باقر مہدی، قمر احسن، مہدی جعفر، محمود ہاشمی، وزیر آغاز اور انتظار حسین کے مضامین جو خاص اس سیمی نار کے لیے لکھے گئے، اس کتاب کی تازگی اور فکر انگیزی میں اضافہ کرتے ہیں اور مطبوعہ یا پہلے لکھے ہوئے مضامین نے شامل ہو کر "اردو افسانہ روایت اور مسائل" کو ہر پہلو سے ایک مکمل دستاویز اور قابل قدر تصنیف بنادیا ہے"(۲)

ظ- انصاری کے ہاں تبصرہ نگاری کی روایت میں ایک موضوعاتی تنوع ہے۔ خلیل الرحمن اعظمی کے مجموعہ "مضامین نو" جو تقریباً انتیس چھوٹے بڑے مضامین اور تبصروں کا مجموعہ ہے پر انھوں نے پانچ صفحات پر مشتمل تبصرہ لکھا ہے۔ مجموعہ میں شامل رنگا رنگ موضوعات سے متعلق مختصراً تبصرہ میں اظہار کیا۔ تاہم صرفِ نظر کے گئے کچھ امور کی طرف بھی توجہ دلانے سے غفلت نہیں برتی۔ قابل توجہ پہلو کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے تبصرہ کے آخر پر لکھتے ہیں:

> "مثالیں دینے اور نام لینے میں یوں تو خلیل مرحوم بڑے لبرل تھے، نجانے کیوں وہ کرشن موہن تلخ اور بانی کا نام یہاں بھول گئے۔ ان کی تازہ کاری، اپنے رنگ رنگ اوصاف کے ساتھ تنقید نگاروں کی نظر سے ملے بروقت یوں اوجھل ہو جاتی ہے؟ سوچنا پڑے گا"(۳)

خلیل الرحمن اعظمی کی ایک اور کتاب "اردو میں ترقی پسند تحریک" پر ان کا تبصراتی مضمون شامل ہے۔ اردو ادب پر بہ حیثیت مجموعی اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر اور راجندر سنگھ بیدی، مجنوں گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین، ڈاکٹر عبدالعلیم، اختر انصاری عزیز احمد، ممتاز حسین اور سردار جعفری کی ترقی پسند ادب کے حوالے سے خدمات کا مختصراً احوال اور جدید اصناف ادب پر اثرات کا جائزہ قاری کی توجہ کتاب کی طرف منعطف کرلیتا ہے۔ فن تبصرہ نگاری میں یہ ان کی مہارت اور تجربہ کاری ہے کہ وہ قارئین سے تبصرہ لکھتے ہوئے بارہا مخاطب ہوتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ مبصر کا مطمحِ نظر حقیقت میں قارئین کی غیر جانبدارانہ رہنمائی ہے۔

پروفیسر ممتاز حسین کی کتاب "امیر خسرو دہلوی" پر ظ-انصاری کا تبصرہ امیر خسرو کے تعارف، ادبی خدمات اور صاحب کتاب کے دلکش انداز کو اس خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری کے دل میں کتاب کی مطالعہ کی خواہش مضبوط ہوتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد پر لکھی گئی دو کتابیں "آئینہ ابوالکلام" از عتیق صدیقی اور "نقد عبدالکلام" از ڈاکٹر رضی الدین پر انھوں نے الگ الگ تبصرے لکھے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جو احاطہ کیا گیا تقابلی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو "نقد عبدالکلام" کو فکری اور فن، فصاحت وبلاغت اور تجزیاتی ژرف بینی کی بدولت ایک اہم حوالہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابوالکلام پر جو کچھ آج تک لکھا گیا ہے اس کا احاطہ اور تجزیاتی نگاہ کے ساتھ جانچنے کے لیے "نقد ابوالکلام" سے بہتر تصنیف نہ اُردو میں آئی نہ کسی اور زبان میں۔ واقعی یہ ایک وسیع یونیورسٹی کی پیش کش ہونے کے لائق ہے"(۴)

مبصر نے ابوالکلام آزاد کی شخصیت پر لکھی گئی دیگر کتب جن میں قاضی عبدالغفار کی "آثار ابوالکلام" بھی شامل ہے کا مطالعہ کر رکھا تھا اور اس موضوع پر گہرے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "نقد ابوالکلام" کا پایہ بلند ہے۔ ظ-انصاری بطور ایک مبصر کے ان سے تقاضوں سے آگاہ ہیں اور ان صفات سے متصف ہیں جو ایک ذمہ دار مبصر میں ہونا ضروری ہیں۔ اپنی رائے کو مستند حوالوں سے آراستہ کر کے قبول عام کے درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ "لامذہب دیندار نیاز فتح پوری" از امیر عارفی پر ان کا تبصرہ موضوع سے گہری دلچسپی کا عکاس ہے۔ نیاز فتح پوری کی شخصیت کے خصائص کے ضمن میں وہ ڈاکٹر خلیق انجم کے موقف کی تائید کرتے ہیں کہ سرسید نے مذہبی فکر میں جس روشن خیالی کی بنیاد رکھی تھی اُسے فروغ نیاز کے ہاتھوں ہوا۔ نیاز کی شخصیت کے حوالے سے مقالہ گراں کو قدر اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیاز نہ ہوتے تو نہ جانے کتنی فکر انگیز بحثیں نہ ہوتیں اور کتنی گمراہیاں سند کا درجہ حاصل کر کے سر پر چڑھ جاتیں۔۔۔ اچھے مصنف اور اچھی تنقید میں راہبر اور راہزن کا نہیں بلکہ ہمسفری کا رشتہ ہے۔ ایک دوسرے کو سہارا ملتا ہے۔ بھاؤ کھلتا ہے۔ ذوق پر صیقل ہوتا رہتا ہے۔ یوں نہ ہو تو کھوٹے سکّے چلا کریں اور جوہری لُٹ جائیں"(۵)

تنقیدی مضامین کے مجموعوں "ستارہ یا بادبان" از محمد حسن عسکری "سہو سراغ از کالی داس گپتا رضا، "سوفو کلیز (Sophocles) ایک تنقیدی مطالعہ" از، ش-اختر، "پریم چند- فکر و فن" از ڈاکٹر قمر رئیس اور "بیاں میر ٹھی" از ڈاکٹر شرف الدین ساحل پر ظ-انصاری کے تبصرے تنقیدی تبصروں کی کٹیگری میں آتے ہیں۔ ان تبصروں میں انھوں نے ناقدین کے طرز تنقید اور طریقہ کار کا بغور جائزہ لے کر اظہار رائے کیا ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر کے حسن و قبح کو بے لاگ انداز میں بیان کیا ہے۔ حسن عسکری کے تنقیدی نظریات مین جو مختلف موڑ آئے ان کا احوال بیان کرتے ہوئے ظ-انصاری لکھتے ہیں:

"اوّل اوّل انھوں نے اردو کی علمی و ادبی دنیا کو فرانس کی ذہنی تحریکات سے آشنا کیا پھر تقسیم ہند کے وقت "اردو کلچر" کا نعرہ بلند کیا۔ پھر محض ترقی پسندوں سے تنگ آکر انسان اور انسانیت کی تعمیم (Generalisation) پر حملہ کیا جو توتے کی رٹ بن چلی تھی۔۔۔ پھر پاکستان پہنچ کر انھوں نے پاکستان کلچر کی بنیادوں کا سوال چھیڑا جس کا اصل منشا مہاجرین کی تہذیبی

شناخت (Identity) کی تلاش تھی۔ ۱۹۲۵ء میں انھوں نے سب سے پہلے ادب میں جمود کی شناخت کی۔ پھر وہ پلٹے اور کہا کے ارد گرد کی دنیا سے بیک وقت ابدی اور عبوری (جدید حسّیت) سے منہ موڑ کر الملا ادب پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ خود عسکری کی چلبلی ذہانت کسی ایک حال پر ٹھہرنے والی نہیں تھی لیکن ان کے اندر کا فنکار بدنیت اور خود غرض بھی نہیں تھا"(٦)

ظ-انصاری کے تبصرے مفصل انداز کے حامل ہیں وہ زیرِ تبصرہ کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد اپنا تنقیدی نقطہء نظر قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں جو حقائق پر مبنی ہوتا ہے۔ صداقت اور سچائی کا اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کرتے ہوئے قاری کے ادبی و تنقیدی ذوق کی نشوونما کا باعث ٹھہرتے ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی ان کو بین العلومی مطالعہ کی فہم رکھنے والا دانشور قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ظ-انصاری اُردو کے وہ نقّاد ادیب تھے جن پر بین العلومی دانشور کی اصطلاح کا بخوبی اطلاق ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں کا تنوّع حیرت انگیز ہے۔ منثور و منظوم تراجم، لغت نویسی، تنقید نگاری، تبصرہ نویسی اور اخبار نویسی ان کے اس حیرت انگیز تنوع کے شاہد ہیں"(٧)

ان کی وسعت علمی اور مبصرانہ صلاحیتیں ہر تبصرے میں اپنی جھلک دکھاتی ہیں۔ تبصروں میں موضوعاتی بوقلمونی کے باوجود قاری کسی موضوع پر ان کی اپروچ میں کمی نہیں آتی بلکہ نئی آب و تاب کے ساتھ تبصراتی جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے نمائندہ تبصروں جن کی تفصیل درج ذیل ہے کو کسی بھی بڑے مبصر کے تبصرہ کے مقابل رکھا جا سکتا ہے:

۱۔	مہذب اللغات	:	مہذب لکھنوی
۲۔	پرانے چراغ	:	مولانا ابوالحسن ندوی
۳۔	الاسلام	:	مولانا وحید الدین خاں
۴۔	آنکھیں ترستیاں ہیں	:	جگن ناتھ آزاد
۵۔	ایک قطرہ خوں	:	عصمت چغتائی
۶۔	آخر شب کے ہمسفر	:	قرۃ العین حیدر
۷۔	کارِ جہاں دراز ہے	:	قرۃ العین حیدر
۸۔	اُترن	:	واجدہ تبسم
۹۔	شاخِ نہالِ غم جستہ جستہ	:	خورشید الاسلام
۱۰۔	شجرِ صدا	:	عمیق حنفی
۱۱۔	نیم نواب	:	شاذ تمکنت

۱۲۔	شب کارزمیّہ	:	ڈاکٹر وحید اختر
۱۳۔	حاصِل	:	جاوید اختر
۱۴۔	مسافت شب	:	زبیر رضوی
۱۵۔	زرد زرخیز	:	خاں احمد حسین زیب غوری

مذکورہ بالا تبصروں میں کچھ مشاہیر ادب کی کتب پر تبصرے ہیں جبکہ بہت سے نئے بھی ہیں۔ ظ-انصاری پوری مہارت اور صداقت کے ساتھ چھان بین کر کے اظہار رائے کرتے ہیں۔ انھوں نے فن تبصرہ نگاری کے حوالے سے اپنے مضمون میں نئے اور پرانے ادبا کے حوالے سے "اپروچ کیا ہونی چاہیے"؟ کے حوالے سے مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تبصرہ نگار کو یہ بھی مد نظر رکھنا ہوتا ہے کہ صاحب تصنیف نیا ہے یا پُرانا، ناتراشاہیرا ہے یا "عادی مجرم"۔ دونوں حالتوں میں پڑھنے والے سے اس کا تعارف کرا دینا اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ مصنف خود لائق تبصرہ نگار سے زیادہ نامور اور مستند اور پاپولر ہو۔ کوئی حرج نہیں۔ اس حالت میں تبصرہ نگار کی ذمہ داری اور بڑھ گئی۔ مصنف کے پچھلے کارناموں کو زیرِ تبصرہ کارنامے سے جوڑ کر اس کی نمایاں یا خوبی یا خصوصیات جتائی جا سکتی ہے۔ ایسے موقع پر "بے شمار کتابیں" ان گنت مضامین، اتھاہ گہرائی، بے مثال حسن، لاجواب انشا پردازی، بے پناہ قوت، بے انتہا قابلیت، قسم کے فالتو اوصاف کی گردان سے، جس سے ہم اردو والے عادی ہیں بچنا لازم ہے"(۸)

"کتاب شناسی" میں کتب کے علاوہ اپنے عہد کے معیاری رسائل و جرائد پر بھی انھوں نے تبصرے لکھے ہیں۔ سہ ماہی رسالہ "معیار" اس پر تبصرہ میں رسالہ معیار کی اہمیت اور معنویت پوری پوری کتاب سے زیادہ قرار دیتے ہیں۔ "معیار" نام کی طرح معیاری ہے اور ان کے خیال میں "معیار" صرف بڑے بڑے ناموں کو اوپر تلے چن دینے سے نہیں بنا۔ ٹھونک بجا کر سلیقے سے ترتیب دینے اور فن کارانہ طرز غور بنانے سے وجود میں آیا ہے۔ یہ کوئی بھاری پتھر نہیں، ترشی ہوئی پورٹی کو (Portico) ہے۔ رسالہ "شعور" پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے پہلے شمارہ ہی کو بڑے بڑے استادوں کو چکا چوند کر دینے والا قرار دیتے ہیں۔ تعریف کے پہلو اجاگر کرتے ہیں لیکن نقائص سے بھی صرفِ نظر نہیں کرتے۔ رسالہ "شعور" کے جو نقائص ان کو کھٹکتے ہیں ان کو اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تاہم یہاں دو باتیں کھٹکتی ہیں: "شعور" کے دو تہائی صفحات پہلے کی چھپی ہوئی تحریروں سے بھرے ہیں۔ اور ایڈیٹروں کے قلم سے جو نکلا ہے اس میں تلخی و سرکشی کی بساند آتی ہے"(۹)

علی گڑھ سے نکلنے والے ایک دوماہی رسالہ "الفاظ" پر ان کا تبصرہ اظہار ناپسندگی لیے ہوئے ہے۔ ایڈیٹر کے علاوہ چار ناموں میں خورشید الاسلام خلیل الرحمن اعظمی اور قاضی عبدالستار ایسے ناموں کے وابستہ ہونے کے باوجود معیار بہتر نہیں ہے۔ جن مقاصد کا ذکر کیا گیا ہے ان کے مطابق تحریریں شامل نہیں کی گئیں گویا جس محنت، لگن اور جذبے کی ضرورت درکار تھی وہ ندارد ہے۔ ششماہی "نقد و نظر" مبصر کے خیال میں ایک بحث طلب رسالہ ہے اس پر مختصر تبصرہ کرنا دشوار ہے تاہم وہ "نقد و نظر" کے تعارف تک محدود

رہتے ہیں۔ دیگر رسائل میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی کے رسالہ "امکان" اور رسالہ "اردو دنیا" پر تعارف و تبصرہ شامل ہے۔ اردو ادبی تبصرہ نگاری کی روایت کے فروغ اور نشوونما میں ڈاکٹر ظ- انصاری کا نام صف اوّل کے مبصرین میں شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون "من کہ یک تبصرہ نگار" میں جن اصول وضوابط کو فن تبصرہ نگاری کے لیے ضروری قرار دیا تھاوہ اُن پر کاربند رہتے ہیں۔ اُن کے تبصروں کی بدولت مصنفین اور ناشرین کی اکثریت نالاں رہی تاہم ان کے تبصروں کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ اس سے کتاب کی حیثیت متعین ہو جاتی ہے۔ ظ-انصاری منجھے ہوئے مبصر ہیں اپنے مخصوص اسلوب میں خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ تبصروں میں مروّت سے کام نہیں لیتے نہ مرعوب ہوتے ہیں۔ تبصرہ نگاری میں ظ-انصاری کی زبان ان کے دل کی رفیق ہوتی ہے اور ان کے اس قلندرانہ طریق تحریر نے بہت سوں کو ناراض بھی کیا لیکن جن کی حیثیت کو مانا وہ فی الواقع اپنا نام اور کام منوانے میں کامیاب ٹھہرے۔ لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے خیالات کا اظہار ان کا شیوہ ہے۔ کتاب کی اچھائی اور برائی اور نفس مضمون کے متعلق جو رائے قائم کرتے مدلّل انداز میں اس پر قائم رہتے۔ ان کا نام اردو ادبی تبصرہ نگاری کئی حوالوں سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ انھوں نے تبصرہ نگاری کے فن اور تقاضوں پر جو مفصل مضمون لکھا وہ اردو ادبی تبصرہ نگاری کے رہنما اصول وضوابط کا مجموعہ کیا جاسکتا ہے۔ ان اصولوں پر کاربند رہ کر انھوں نے بذات خود رنگارنگ موضوعات کی حامل کتب پر تبصرے لکھے ان میں زبان وبیان پر ان کی دسترس بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ رشید حسن خاں ظ-انصاری کی تالیف "کتاب شناسی" پر تبصرہ میں زبان وبیان پر ان کی دسترس اور گرفت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"زبان کا حسن دو دھاری تلوار کی طرح ہوتا ہے۔ آدمی اس کا رسیا ہو جائے تو سطح پر چمک بڑھتی جاتی ہے۔ جُملے چست کرنا بھی فن کاری ہے اور پھبتی کسنا بھی صناعی کا درجہ رکھتا ہے لیکن جب ان کا تناسب بڑھ جاتا ہے تو معنوی سنجیدگی پر حرف آنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ قلم اس کا لذت آشنا ہو جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ "شیر کے منہ کو خون لگ گیا"(۱۰)

اس کتاب میں جملے چُست کرنے اور پھبتی کسنے کا تناسب کچھ نہیں، بلکہ بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور اس نے تبصرہ نگاری کے وقار اور سنجیدگی کو نقصان پہنچایا ہے۔ ظ- صاحب بہت لکھتے ہیں اور بہت سے موضوعات پر لکھتے ہیں، یہ بجائے خود کوئی خوبی نہیں۔ رشید حسن خاں نے ظ- انصاری کے تبصرہ نگاری میں زبان وبیان کے جوہر دکھانے کو ان کی تبصرہ نگاری کا عیب قرار دیا ہے اور یہ کہ اس سے ان کے تبصرہ نگاری کے وقار اور سنجیدگی کو نقصان پہنچا ہے۔ ظ- انصاری کے انداز میں بعض سنجیدہ کتب پر غیر سنجیدہ انداز نظر آتا ہے۔ اس پر اکثر ناقدین نے اظہار ناپسندیدگی کیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا سید ابوالحسن ندوی کی کتاب "نقوش اقبال" پر ان کا تبصرہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ سنجیدہ کتابوں پر غیر سنجیدہ تبصرہ ان محبوب مشغلہ قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر ضیاالدین انصاری لکھتے ہیں:

"ظ- انصاری صاحب کا انداز تحریر عالمانہ نہیں ہے۔ تبصروں میں یہ انداز اور بھی زیادہ واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ انتہائی سنجیدہ کتابوں پر غیر سنجیدہ انداز میں اظہار خیال کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ "کتاب شناسی" کے پیش تر تبصرے اسی اندازِ تحریر کی نمائندگی کرتے ہیں"(۱۱)

ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے تبصروں کی یہ خصوصیت انتہائی منفرد ہے کہ جس کتاب کے بارے میں تبصرہ پیش کر رہے ہوں اس کے پس منظر کو بڑے مفصل انداز سے بیان کرتے ہیں۔ جس کتاب کے بارے میں تبصرہ لکھتے ہیں مصنف کے سیاسی و سماجی نقطہء نظر کو بڑے احسن طریقے سے بیان کر جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ظ- انصاری کا تبصرہ سیاسی سماجی تہذیبی اور ادبی اقدار سے آشنا ہوتا ہے۔ بطور نمائندہ ادبی مبصر کے ان کے تبصرے "اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک" از خلیل الرحمان اعظمی کا انتخاب تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس تبصرے کا شمار ان کے بہترین تبصروں میں کیا جاسکتا ہے۔ اردو ادب کی سب سے جاندار ادبی تحریک ترقی پسند تحریک پر خلیل الرحمٰن اعظمی کے فن پارے "اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک" پر ظ- انصاری کا تبصرہ فکری معنی سے عمدہ تبصرہ ہے ڈاکٹر خلیل الرحمان اعظمی کے اس تبصرہ کے تحقیقی و تنقیدی تجزیے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تبصرہ درج ذیل خصائص کا حامل ہے۔

۱۔ تبصرہ میں تاریخی و سماجی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ مصنف کی شخصیت کا بخوبی احاطہ کیا گیا ہے۔

۳۔ کتاب کے تینوں حصوں کا الگ الگ تجزیہ کیا گیا ہے۔

۴۔ تبصرے کی زبان و بیان اور تسلسل متاثر کن ہے۔

۵۔ تبصرہ میں غیر جانبداری کا معیار اعلیٰ درجے کا حامل ہے۔

ڈاکٹر ظ- انصاری کے اس تبصرہ میں یہ واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلے کتاب کے موضوع کے بارے میں بھرپور اظہار خیال کیا جانا ضروری ہے اس کے بعد مصنف کے اُسلوب اور شخصیت پر اور دیگر پہلوؤں پر تبصرہ کیا جانا چاہیے۔ خلیل الرحمن اعظمی کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "خوش قسمتی کہ مجھے مرحوم خلیل الرحمٰن اعظمی سے اختلاف و اتفاق کے ساتھ ذاتی تعارف بھی حاصل تھا۔ وہ اُردو شاعری کے سوز و گداز، احتیاط و احترام نرم آواز، دھیمے لہجے اور متوازن انداز کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آتے تھے۔ باہر سے بھی، اندر سے بھی۔ نہ سخت جان تھے، نہ تلخ زبان۔ ان کے شعور کی ابتدا اُن ترقی پسندانہ ادبی خیالات اور ادب کے جھونکوں میں ہوئی جو کمیونسٹ تحریک کی چڑھتی دھوپ کے ساتھ گرم ہوتے جاتے تھے۔ مولویوں کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ کم عمری ہی میں اُردو کا پورا کلاسیکی قدح چڑھا گئے۔"(۲۱)

ڈاکٹر ظ- انصاری کے اس تبصرے کی بڑی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب میں موجود ترقی پسند فنکاروں پر بھی الگ الگ مباحث پیش کے ہیں۔ اس تبصرے میں ڈاکٹر انصاری نے جن فنکاروں کا ذکر کیا ہے ان میں اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، مجنوں گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین، ڈاکٹر عبد العلیم، اختر انصاری، عزیز احمد، ممتاز حسین، سردار جعفری پر الگ الگ مضامین لکھے ہیں۔ المختصر یہ کہ اس تبصرے کو باخصوص اردو ادب کے اور "مخصوص ڈاکٹر ظ- انصاری کے اہم تبصروں میں شمار کرسکتے ہیں کیونکہ ڈاکٹر ظ- انصاری کا تبصرہ کتاب شناسی اور کتاب آشنائی کے حوالے سے مکمل ہے المختصر یہ کہ ڈاکٹر ظ-انصاری کے ایسے تبصروں سے

اردو تبصرہ نگاری کا کینوس وسیع ہوا ہے۔ بحیثیت مجموعی ڈاکٹر ظ-انصاری فن تبصرہ نگاری کے تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں اور انھوں نے اس کا عملی ثبوت کتاب شناسی میں تقریباً سو کتب اور رسائل و جرائد پر بے لاگ تبصروں سے دیا ہے۔ اردو ادبی تبصرہ نگاری کی روایت میں ظ-انصاری کا نام خصوصی انفرادیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر ظ-انصاری فطری طور پر مبصرانہ طبیعت کے حامل ہیں۔ فن تبصرہ نگاری کے حوالے سے ان کا وسیع علم اور تجربہ ہے عالمی ادبی کے اثر مبصرین کا انھوں نے مطالعہ کر رکھا ہے۔ جس کا عکس ان کے تبصروں میں بھی منعکس ہوتا ہے وہ کس طرح بھی مصنف سے مرعوب نہیں ہوتے اور بغیر لگی لپٹی رکھے حق بات کہہ جاتے ہیں کچھ ناقدین معترض ہوتے ہیں کہ وہ ایسے تبصروں میں اکثر شوخی اور طنز پر اتر آتے ہیں اور بعض اوقات ذاتیات پر بھی بات کر جاتے ہیں جو فن تبصرہ نگاری سے ہم آہنگ نہیں ہے تمام خصائص اور نقائص اپنی اپنی جگہ زیر بحث آسکتے ہیں لیکن ظ-انصاری کا جو مقام تبصرہ نگاری میں ہے وہ بلاشبہ منفرد اور ممتاز ہے۔ حقیقی معنوں میں وہ اپنے اس جملے پر پورا اترتے ہیں "من کہ یک تبصرہ نگار" اور حقیقت بھی یہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ظ۔ انصاری: ''کتاب شناسی''، یونیورسل پریس، بمبئی ۲، ۱۹۸۱ء، ص ۴۳

۲۔ ایضاً، ص ۵۵

۳۔ ایضاً، ص ۶۷

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۶۔ ایضاً، ص ۳۴۷

۷۔ ڈاکٹر تحسین فراقی: ''معاصر اردو ادب، نثری مطالعہ''، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۸۔ ظ۔ انصاری: ''کتاب شناسی''، ص ۶۰

۹۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۰۔ رشید حسن خاں: ''غالب نامہ''، جولائی ۱۹۸۱، ص ۲۵۷-۲۵۸

۱۱۔ ڈاکٹر محمد ضیاالدین انصاری: ''(پیش لفظ) آل احمد سرور کے تبصرے''، پٹنہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ص ۳

۱۲۔ ظ۔ انصاری، ص ۴۳

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk